32

اڑھائی ہزار سال کی پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پوری ہو رہی ہیں

(فرمودہ 7نومبر 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"قرآنِ کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ طیبات سے اور پچھلی کتب کی پیشگوئیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں بعض خطرناک جنگیں ہونے والی ہیں۔ ایسی جنگیں جو دنیا کو بالکل تہہ و بالا کر دیں گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے الہامات نے بھی اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ وہ پیشگوئیاں جو قرآن کریم میں بیان ہوئی ہیں اور وہ پیشگوئیاں جو حدیثوں میں بیان ہوئی ہیں اور وہ پیشگوئیاں جو پچھلی کتب میں بیان ہوئی ہیں ان کے پورا ہونے کا وقت یہی ہے۔ تیرہ سو سال سے وہ پیشگوئیاں قرآن اور احادیث میں بیان ہو چکی تھیں اور پھر دو ہزار سال سے زائد عرصہ سے بعض دوسری کتب میں بھی درج تھیں مگر اس وقت تک کوئی شخص ایسا نہیں ہوا تھا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ خداتعالیٰ کے الہام کے ذریعہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ میرا زمانہ ہی ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کا ہے اور جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام پیشگوئیاں بعثتِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں تو مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی متعصب کیوں نہ ہو اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے دلیل کی طرف توجہ کرے تو اسے اس بات کے تسلیم کرنے میں

کوئی شبہ ہو سکے کہ ان پیش گوئیوں سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کی صداقت یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے۔ گزشتہ دو اڑھائی ہزار سال میں سینکڑوں مدعی آئے ہیں مگر کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ پیش گوئیاں میرے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ غور کر کے دیکھ لو۔ کتنی پرانی خبریں ہیں جو اس بارہ میں دی گئی ہیں۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں نوحؑ کے زمانہ سے لے کر اب تک جتنے بھی انبیاء آئے ہیں وہ سارے ہی آخری زمانہ کے فتنوں کو بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ ان انبیاء کی تمام پیش گوئیاں محفوظ نہیں۔ مگر کم سے کم دانیالؑ اور یسعیاہؑ کی پیشگوئیاں اب تک موجود ہیں۔ اور ان پر بھی اڑھائی ہزار سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ گویا اڑھائی ہزار سال سے یہ پیشگوئیاں بیان ہوتی آ رہی تھیں۔ مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ یہ کہے کہ یہ میرے زمانہ میں پوری ہونے والی پیشگوئیاں ہیں۔ آخر وجہ کیا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے ہی اس امر کا دعویٰ کیا۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے زمانہ میں ہی ان پیش گوئیوں کے پورا ہونے کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ پچیس چھبیس سو سال سے جن پیش گوئیوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی ہو۔ نہ سچے کو نہ جھوٹے کو۔ ان تمام پیشگوئیوں کو اس زمانہ میں اس شخص نے جو مخالفوں کے نزدیک اپنے دعویٰ میں بالکل جھوٹا تھا اپنی طرف منسوب کیا اور پھر خدا تعالیٰ نے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے سامان بھی پیدا فرما دیئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ایک نبی نہیں ، دو نبی نہیں، تین نبی نہیں، چار نبی نہیں متواتر اور مسلسل اللہ تعالیٰ کے انبیاء ایک فتنہ کی خبر دیتے ہیں۔ اتنے تواتر اور تسلسل کے بعد ہو سکتا تھا بلکہ ہونا چاہئے تھا کہ کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ یہ پیش گوئیاں میرے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جیسے بعض اور پیشگوئیاں تاویل کے طور پر لوگ اپنی طرف منسوب کرتے رہے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فتنۂ یاجوج و ماجوج کو اتنا اہم بنایا تھا کہ کسی شخص کو جھوٹے طور پر بھی یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان پیشگوئیوں کو اپنی طرف منسوب کرے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں

جن میں تاویل سے کام لے لیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی بڑے قحط کی پیشگوئی ہو اور دنیا میں فِی الْواقع قحط پڑنا شروع ہو جائے تو گو وہ معمولی قحط ہو اور پیشگوئی کے مطابق بہت بڑا قحط نہ ہو۔ مگر انسان تاویل کے طور پر اُسے کسی مدعی کی طرف منسوب کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ بڑا قحط نہیں پڑا تو چھوٹا قحط تو پڑا ہے۔ اسی طرح کسی پیشگوئی کے مطابق اگر بڑی موت نہ آئے تو چھوٹی موت کسی کے دعویٰ کی سچائی کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے۔ مگر یاجوج و ماجوج کا فتنہ جس کی قرآن نے خبر دی تھی، جس کی حدیثوں میں خبر موجود تھی اور جس کے متعلق پہلی کتب میں بھی پیشگوئیاں پائی جاتی تھیں اور بعض جگہ نام لے کر اور بعض جگہ بے نام اس کی خبر دی گئی تھی۔ اتنا بڑا فتنہ تھا کہ لوگوں کو یہ جرأت ہی نہیں ہوئی کہ وہ جھوٹے طور پر اسے کسی کی طرف منسوب کریں یا تاویل کے طور پر کسی اور فتنہ پر اس فتنہ کی پیشگوئیوں کو چسپاں کر دیں۔ پرانے زمانے میں بھی بعض بڑے بڑے فتنے ہوئے ہیں۔ مثلاً ہلاکو خاں کا فتنہ بہت بڑا فتنہ تھا۔ اس نے بغداد اور اسلامی سلطنت کو تباہ کر دیا تھا۔ اسی طرح امیر تیمور کے حملوں کو لوگ نہایت ظالمانہ قرار دیتے ہیں اور وہ بڑی دور تک حملہ کرتے نکل آیا تھا مگر باوجود ان فتنوں کی اہمیت کے یاجوج و ماجوج سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیوں کو لوگوں نے ان واقعات پر چسپاں نہیں کیا۔ اس لئے کہ یاجوج و ماجوج دو قومیں بیان کی گئی تھیں اور بتایا یہ گیا تھا کہ وہ دونوں بڑی طاقتور اور جتھے والی ہوں گی اور وہ دونوں طاقتور جتھے باقی ساری دنیا کو مغلوب کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ دنیا یا تو ایک گروہ کے ماتحت آ جائے یا دوسرے گروہ کے ماتحت آ جائے۔ اس پیشگوئی کو لوگ بھلا اور کہاں چسپاں کر سکتے تھے۔ اگر وہ ہلاکو خاں کو یاجوج بناتے تو ماجوج کہاں سے لاتے اور اگر ماجوج بناتے تو یاجوج کہاں سے لاتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو ایسا رنگ اور ایسی شکل دے دی تھی کہ کوئی شخص گزشتہ زمانہ میں ایسا نہیں گزرا جس نے ان پیشگوئیوں کو اپنے زمانہ کی طرف منسوب کیا ہو نہ سچے طور پر نہ جھوٹے طور پر اور اس طرح یہ پیشگوئی ہر زمانہ میں

بچتی چلی آئی یہاں تک کہ جو اس کا صحیح معنوں میں مصداق تھا اس نے ان پیشگوئیوں کو اپنے زمانہ پر چسپاں کیا۔

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام تھے تو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹے ہیں مگر چونکہ آپ زیادہ ہوشیار تھے اس لئے آپ نے ان پیشگوئیوں کو اپنے زمانہ پر چسپاں کر لیا مگر سوال یہ ہے کہ اگر آپ نے ان پیشگوئیوں کو جھوٹے طور پر اپنے زمانہ پر چسپاں کر لیا تھا تو خدا نے ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے سامان کیوں کر دیئے؟

غرض یاجوج و ماجوج کے فتنہ سے تعلق رکھنے والی جو پیشگوئیاں قرآن و احادیث اور پہلی کتب میں پائی جاتی تھیں۔ وہ آج پوری ہو رہی ہیں۔ چنانچہ گزشتہ جنگوں کا اس جنگ سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ تمام دنیا یہ اقرار کر رہی ہے کہ یہ جنگ دو گروہوں کی جنگ ہے اور اخبارات میں ہمیشہ یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ جنگ درحقیقت ڈیماکریسی کا ڈکٹیٹر شپ سے مقابلہ ہے۔ یعنی آزادئ رائے سے جو حکومت کی جاتی ہے اس کا جبری حکومت سے مقابلہ ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کے ماتحت حکومت کرنے کے جرمنی اور اٹلی والے حامی ہیں اور ڈیماکریسی یعنی جمہوریت اور آزاد رائے سے حکومت کرنے کے حامی برطانیہ اور امریکہ وغیرہ ہیں۔ یہی دو اصول ہیں جن کی اس وقت جنگ ہو رہی ہے۔ ایک فریق ایک اصل کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور دوسرا فریق دوسرے اصل کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے کاموں کو ان کے خلفاء کے ذریعہ تکمیل تک پہنچایا کرتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے ہی یہ توفیق عطا فرمائی کہ مَیں نے دنیا کے سامنے یہ حقیقت بیان کی کہ یاجوج اور ماجوج دو قوموں کے نام نہیں بلکہ دو اصول کے نام ہیں چنانچہ تین چار سال ہوئے اسی منبر پر کھڑے ہو کر میں نے ایک خطبہ پڑھا تھا جس میں کہا تھا کہ:۔

"یاجوج اور ماجوج دو اصول ہیں جو اس زمانہ میں دنیا پر

غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو وہ ہے جو جمہوریت کو اس کے تمام عیوب سمیت دنیا میں ترقی دینے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور دوسرا اصل وہ ہے جو قابلیت اور لیاقت کو ترقی دینا چاہتا ہے اور جمہوریت کی روح کو دبانا چاہتا ہے۔ یہ دو اصول اس وقت دنیا میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایک اصل تو اس بات کی جدو جہد میں مشغول ہے کہ افراد کی طاقت کو بڑھا کر دنیا میں غلبہ حاصل کیا جائے اور ایک اصول اس غرض کے لئے کوشاں ہے کہ اعلیٰ قابلیت کو راہ نمائی کی باگ ڈور دے کر دنیا پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ ان دونوں گروہوں نے دنیا پر کامل طور پر غلبہ حاصل کیا ہوا ہے اور ساری دنیا ان دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔"[1]

یہ خطبہ جمعہ جنگ سے قریباً سوا سال پہلے کا چھپا ہوا موجود ہے۔ اور آج اس جنگ میں سب دنیا اقرار کر رہی ہے کہ یہ جنگ دو اصول کی ہے۔ ایک طرف ڈیما کریسی ہے اور دوسری طرف ڈکٹیٹر شپ ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اتنا عظیم الشان نشان ظاہر ہوا ہے کہ اگر دنیا کے سامنے اسے صحیح طور پر پیش کیا جائے تو مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ متعصب سے متعصب انسان بھی اس پر کوئی اعتراض کر سکے۔ آخر وہ اِس امر کا کیا جواب دے گا کہ کیوں اڑھائی ہزار سال تک ان پیشگوئیوں کو کسی نے اپنے زمانہ پر چسپاں نہ کیا اور پھر وہ اس بات کا کیا جواب دے گا کہ کیوں گزشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہ باتیں پوری نہ ہوئیں اور اِس وقت پوری ہوئیں جب ایک شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ پیشگوئیاں میرے زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

اب تو زمانہ بہت کچھ بدل چکا ہے ورنہ پہلے یہ حالت تھی کہ عیسائیوں کو دجال کہنے پر ہی سارے مسلمان ہمارے مخالف ہو گئے تھے اور کہتے تھے کہ احمدی

پیشگوئیوں کی تاویلیں کرنے کے عادی ہیں۔ مگر اب مسلمانوں کے اخبارات اور رسالوں میں بھی بسا اوقات یہ لکھا ہوتا ہے کہ عیسائی دجال ہیں۔ آج آہستہ آہستہ دنیا میں خدا تعالیٰ کے فضل سے وہی خیالات اور وہی اعتقادات قائم ہو رہے ہیں۔ جن کو احمدیت دنیا میں قائم کرنا چاہتی ہے۔

غرض ہمارے لئے یہ ایک بہت بڑا خوشی کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی بڑی پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں پورا کیا اور اس طرح آپ کی صداقت کا ایک عظیم الشان ثبوت بہم پہنچا دیا۔ اگر یہ سب کچھ انسانی منصوبہ ہوتا تو بھلا سوچو کیا کسی انسان کی یہ طاقت تھی کہ وہ آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے کے انبیاء سے یہ پیشگوئیاں کرا دیتا۔ قرآن کریم میں جہاں رسول کریم ﷺ کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئیوں کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ مخالفین سے فرماتا ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے اس بندہ نے دو ہزار سال پہلے موسیٰ سے مشورہ کر لیا تھا کہ وہ اس کے متعلق پیشگوئیاں کر دے تا کہ جب یہ دعویٰ کرے تو ان پیشگوئیوں کو اپنی صداقت کے ثبوت میں پیش کر سکے۔ جب اس کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں تھی جس سے کام لے کر یہ دو ہزار سال پہلے کے ایک نبی کے مُنہ سے اپنے متعلق پیشگوئی نکلوا سکتا تو تم کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ خدا کا کام ہے کسی انسان کا کام نہیں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا بات ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اپنے زمانہ کے متعلق دانیال سے بھی پیشگوئیاں کرا لیں، یسعیاہ سے بھی پیشگوئیاں کر الیں، رسول کریم ﷺ سے بھی پیشگوئیاں کر الیں اور پھر ان تمام پیشگوئیوں کے پورے ہونے کے سامان بھی پیدا کرا لئے۔ کیا کسی انسان کی طاقت ہے کہ وہ ایسا کر سکے؟ اور کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ آپ اپنے دعوے میں صادق اور راستباز ہیں؟

غرض اس طرح ان قوموں کا ابھار کسی انسان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ سوائے اس کے کہ قرآن کریم نے اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ عیسائیوں کی طاقت

ایک دفعہ اسلام کے مقابلہ میں بالکل تباہ ہو جائے گی۔ مگر پھر دوبارہ ترقی کر کے وہ تمام دنیا پر چھا جائیں گے۔ جیسا کہ سورہ کہف کی تفسیر میں میں نے اس مضمون کو بیان بھی کیا ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ عیسائیوں کے تنزّل کو دیکھ کر کسی انسان کے وہم میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ وہ دوبارہ ترقی کر جائیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام سے پہلے عیسائیت کا مغربی کرّہ پر غلبہ تھا۔ چنانچہ روما کی حکومت عیسائیوں کے قبضہ میں تھی، عرب کے کچھ حصہ پر بھی قابض تھے۔ شام اور فلسطین میں بھی ان کا غلبہ تھا یہاں تک کہ انگلستان اور ہسپانیہ بھی ان کے ماتحت تھا مگر جس وقت اسلام نے ترقی شروع کی تو عیسائیوں کی حکومت اتنی زوال پذیر ہو گئی کہ روما کا قیصر ایک عرصہ تک مسلمان بادشاہوں کو خراج دیتا رہا۔ گویا وہ ایسا ہی کمزور تھا جیسے آجکل ہندوستان کی ریاستیں انگریزوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ مثلاً ریاست جے پور ہے، جودھپور ہے، گوالیار ہے، میسور ہے۔ ان ریاستوں کے راجوں مہاراجوں کو گو ان کی رعایا حضور اور آقا اور اَن داتا وغیرہ کہے مگر دنیا جانتی ہے کہ ایک معمولی انگریز افسر کے سامنے بھی ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی طرح روما کا قیصر مسلمانوں کو خراج دیا کرتا تھا اور اس کی اسلامی سلطنت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ پھر مسلمانوں نے اس سلطنت کو بھی تباہ کر دیا اور آخر ہسپانیہ وغیرہ کو بھی فتح کر لیا۔ عیسائیت کی اس کمزوری کے زمانہ میں کوئی شخص یہ وہم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یورپ پھر ترقی کر جائے گا۔ قیدیوں کی سی ان کی حالت تھی اور صرف ایک برِّ اعظم میں وہ گھرے ہوئے تھے اور اس کے بھی دائیں اور بائیں اسلامی سلطنتیں موجود تھیں۔ پھر یورپ کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ سپین والوں نے جب انگلستان پر حملہ کیا تو انگلستان کی ملکہؑ الزبتھ نے ترکوں کے بادشاہ سے مدد کی درخواست کی اور لکھا کہ ترک بڑے بہادر ہوتے ہیں اور وہ عورتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔ مَیں عورت ذات ہوں اور ایک ظالم بادشاہ میرے ملک پر حملہ آور ہو گیا ہے میری مدد کی جائے۔

اب کُجا تو وہ حالت تھی اور کُجا یہ حالت ہے کہ آج سب جگہ یورپ ہی یورپ نظر آتا ہے۔ امریکہ ایک نیا برّ اعظم نکلا تھا مگر وہاں بھی عیسائیوں کا غلبہ ہے۔ مشرقی یورپ میں بھی مسلمانوں کو کوئی طاقت حاصل نہیں اور سپین کی حالت تو ایسی خطرناک ہے کہ آجکل وہاں ایک مسلمان بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ وہ بغداد کے مد مقابل کی حکومت تھی اور اسلام کے متعلق بعض اعلیٰ درجہ کی تصانیف سپین میں لکھی گئی تھیں مگر اب کتابوں کے لکھنے والوں کی قبروں تک کا نشان نہیں ملتا۔ شاید اس لئے کہ حکومت کے اثر سے وہاں کے علماء آزاد تھے۔ انہوں نے تصنیف کا کام نہایت اعلیٰ درجہ کا کیا ہے۔ چنانچہ صوفیاء میں سے حضرت محی الدین صاحب ابن عربی جنہوں نے فتوحات مکیہ لکھی ہے وہ وہیں پیدا ہوئے تھے۔ اسی طرح فلسفہ طب اور تفسیر کی نہایت اعلیٰ درجہ کی کتابیں وہاں لکھی گئیں۔ روائتی طور پر قرطبی کی تفسیر بہت اعلیٰ درجہ کی ہے اور یہ ہسپانیہ کے ہی ایک شخص نے لکھی ہے۔ درائتی طور پر اور ادبی لحاظ سے بحرِ محیط کی تفسیر نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے۔ اور یہ بھی ایک ہسپانیہ کے رہنے والے نے ہی لکھی ہے۔ مشہور فلسفیوں میں سے جو دو بڑے فلسفی گزرے ہیں۔ ان میں سے ابن رشد ہسپانیہ کا ہی رہنے والا تھا۔ غرض سپین میں مسلمانوں نے اتنی عظیم الشان ترقی کی تھی کہ اگرچہ ہندوستان کے رہنے والے اس ترقی سے زیادہ آگاہ نہیں مگر مصری اور اردگرد کے علاقوں والے جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی بے نظیر تھی۔ جب مسلمانوں پر انحطاط کا دور آیا تو وہ تمام کتابیں جو انہوں نے لکھی تھیں یورپ کے کتب خانوں میں چلی گئیں اور انہوں نے ان کتابوں سے فائدہ اٹھا کر ترقی کرنی شروع کر دی حتّٰی کہ اب مسلمانوں کو یہ علم تک نہیں رہا کہ ان کے آباء نے کیا کیا تصانیف کی تھیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کی ساری ترقی ہسپانیہ والوں سے میل جول کا نتیجہ ہے۔

مَیں نے کچھ عرصہ ہوا بعض کتابیں منگوائیں جو مسلمانوں کی گزشتہ ترقی کی تاریخ پر مشتمل تھیں۔ انہیں پڑھ کر مجھے بہت ہی خوشی ہوئی ، مذہبی لحاظ سے نہیں

بلکہ اس وجہ سے کہ علمی لحاظ سے ان میں بہت دلچسپ باتیں درج تھیں۔ان کتابوں میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ یورپ کے بہت سے علوم سپین والوں سے نقل کئے گئے ہیں۔چنانچہ موسیقی کے متعلق لکھا تھا کہ جو چیز آج یورپ کا آرٹ سمجھا جاتا ہے اور جس کے متعلق لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ موسیقی کے اصول یورپین لوگوں نے وضع کئے ہیں وہ درحقیقت یورپ کے وضع کردہ نہیں بلکہ مسلمانوں کی نقل ہیں۔اسی طرح بہت سے باجے اور موسیقی کے طریق سپین والوں سے لئے گئے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے ایک کتاب میں ایک خط و کتابت بھی درج کی گئی ہے جو موسیقی کے متعلق ایک بہت بڑے پادری اور عیسائی میں ہوئی۔اور مصنف نے لکھا ہے کہ یہ خطوط اب تک برٹش میوزیم میں محفوظ ہیں۔اس کتاب کا مصنف لکھتا ہے کہ ایک انگریز سپین میں گیا اور اس نے مسلمانوں سے موسیقی کا علم سیکھا۔جب وہ علم سیکھ چکا تو اس نے اپنے بڑے پادری کو خط لکھا۔جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اب تک محفوظ ہے کہ ہمارے ہاں جو موسیقی کا طریق ہے وہ نہایت ردّی ہے۔لیکن مسلمانوں کا طریق نہایت اعلیٰ اور مکمل ہے۔میرا جی چاہتا ہے کہ اگر آپ اجازت دیں تو کافروں کا یہ علم اپنے ملک میں رائج کیا جائے تاکہ ہمارے گرجوں میں بھی جاری ہو اورلوگ فائدہ اٹھائیں۔اس خط کا پادری نے جو جواب دیا۔اس سے اس کی دیانتداری بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔اس نے لکھا کہ بڑی اچھی بات ہے تم ضرور ایسا کرو مگر لوگوں سے یہ نہ کہنا کہ میں نے یہ علم مسلمانوں سے سیکھا ہے بلکہ کہنا کہ مَیں نے خود ایجاد کیا ہے۔

باجے واجے سے ہمیں کوئی دلچسپی تو نہیں مگر اس سے یہ پتہ ضرور چلتا ہے کہ ظاہری اور باطنی اور دینی اور دنیوی حتّٰی کہ تعیّش کے معاملات میں بھی مسلمانوں نے اتنی ترقی کی تھی کہ آج یورپ میں موسیقی کا جو علم رائج ہے وہ بھی مسلمانوں کی نقل ہے۔اسی طرح طب میں انہوں نے مسلمانوں کے علوم کی نقل کی۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے تک فرانس اور دوسرے

یورپین ممالک میں ہسپانیہ کی لکھی ہوئی طب کی کتابیں ہی کالجوں میں پڑھائی جاتی تھیں اور ابھی کئی نئی چیزیں نکلتی آ رہی ہیں اور معلوم ہو رہا ہے کہ اس زمانہ کی بعض ایجادات ایسی ہیں کہ یا تو وہ مسلمانوں نے ایجاد کی تھیں مگر یوروپینز نے اپنی طرف منسوب کر لیں اور یا پھر یوروپینز نے گو اپنے طور پر ہی بعض چیزوں کو ایجاد کیا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ یہ ایجادات مسلمان بھی کر چکے تھے لیکن اتنی عظیم الشان کامیابی اور یورپ پر قبضہ و تصرف کے بعد آج مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔

آج کے "الفضل" میں ہی ہمارے ایک مبلّغ نے یوگو سلاویہ کے مسلمانوں کے حالات شائع کرائے ہیں۔ گو اس مضمون میں ایک غلطی بھی ہے اور وہ یہ کہ اس مضمون کو پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یوگو سلاویہ کی حکومت ابھی تک قائم ہے حالانکہ کئی مہینے ہوئے جرمن والے اسے فتح کر چکے ہیں۔ بہرحال یہ یوگو سلاویہ کا علاقہ کسی زمانہ میں ترکوں کے ماتحت ہوا کرتا تھا۔ پھر یورپین لوگوں نے مل کر مسلمانوں کو یہاں سے نکال دیا۔ اب مولوی محمد الدین صاحب نے اس علاقہ کے جو حالات شائع کرائے ہیں وہ کتنے دردناک ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہاں مسلمان بالعموم مزدوروں یا چوہڑوں کا کام کرتے ہیں اور سڑکوں پر مزدوری کرنا یا جھاڑو دینا ان کا کام ہے۔ اب کُجا تو یہ حالت تھی کہ وہ یوگو سلاویہ کے بادشاہ تھے اور اب کُجا یہ حالت ہے کہ چودہ ملین آبادی میں سے صرف تین ملین مسلمان ہیں اور ان میں سے بھی سوائے چند لوگوں کے باقی سب ذلیل اور ادنیٰ حالت میں ہیں۔ حکومت نے مسلمانوں سے یہ سلوک کیا کہ اس نے جبراً ان کی زمینیں چھین کر عیسائیوں کو دے دیں اور پھر ان سے کہا کہ اگر تم اپنا حق سمجھتے ہو تو عدالت میں دعویٰ دائر کرکے زمینیں واپس لے لو۔ وہ غریب آدمی بھلا مقدمے کیسے کرتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پہلی حالت سے بھی بدتر حالت میں جا گرے۔ یہ کیسے دردناک حالات ہیں کہ ایک زمانہ میں تو مسلمان حاکم تھے مگر آج ان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔

غرض اُس زمانہ میں کوئی شخص یہ قیاس بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یورپ کبھی ترقی

کر کے اتنا بڑھ جائے گا کہ تمام دنیا پر چھا جائے گا۔ آج مسلمانوں کی جو کچھ حالت ہے اس سے بھی زیادہ کمزور حالت اُس زمانہ میں عیسائیوں کی تھی۔ پھر جس طرح گاڑی کے سفر میں سوتے سوتے انسان کی آنکھ کھلے تو وہ کہیں کا کہیں پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان رات کو ایسی حالت میں سوئے کہ تمام یورپ ان کے ماتحت تھا مگر جب ان کی آنکھ کھلی تو انہوں نے دیکھا کہ یورپ ان کی گردن پر سوار ہے اور وہ اس کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ مگر ہمارے لئے ان حالات میں بھی مایوسی اور گھبراہٹ کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ جس خدا نے عیسائیت کی ترقی کی وہ خبر دی تھی جو کسی انسانی واہمہ اور قیاس میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ اُسی خدا نے یہ خبر بھی دی ہے کہ یہ تبدیلی اور تغیر اسلام کے لئے مفید ہو گا۔ پس ہمارے لئے ڈرنے اور گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن یہ خدا کے خوف کا مقام ضرور ہے۔ کیونکہ حدیثوں سے یہ ایسی گمراہی کا زمانہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں۔ رات کو انسان مومن ہونے کی حالت میں سوئے گا اور صبح کافر اٹھے گا۔2 گویا کفر کا اتنا غلبہ ہو گا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے گھنٹوں میں اپنے ایمان کو ضائع کر دیں گے۔ اور لالچ یا خوف کی وجہ سے اپنے مذہب کو ترک کر دیں گے۔ چنانچہ صبح کو وہ مومن ہوں گے اور شام کو کافر ہوں گے۔ شام کو مومن ہوں گے اور صبح کو کافر ہوں گے۔ یہ عیسائیت کا غلبہ اور اس کے رعب کی ایک علامت ہے بلکہ عیسائیت کو جانے دو اِس وقت عیسائیت کا سوال نہیں حکومتوں کا سوال ہے اور رسول کریم ﷺ نے بتایا ہے کہ ان حکومتوں کا اتنا رعب ہو گا کہ وہ لالچ دے کر یا ڈرا دھمکا کر لوگوں کو اپنے مذہب سے منحرف کر دیں گی۔

غرض اس فتنہ کی رسول کریم ﷺ نے اس قدر اہمیت بیان فرمائی ہے کہ اگر مسلمان کچھ بھی سوچتے تو آج ان کی وہ حالت نہ ہوتی جو نظر آ رہی ہے۔ آج وہی زمانہ ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ نے اس خطرہ کا اظہار فرمایا ہے کہ شام کو انسان مومن ہو گا اور صبح کو کافر۔ صبح کو مومن ہو گا اور شام کو کافر۔

ایسے خطرناک فتنہ سے بچنے کے لئے انسان جس قدر بھی دعائیں کرے کم ہے۔اور اب تو یہ خطرہ بڑھتے بڑھتے ہندوستان کے قریب پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ کریمیا3 کے علاقہ میں جرمن داخل ہو گئے ہیں۔کریمیا سے پندرہ بیس میل کے فاصلہ پر ایشیا ہے اور گو یہ پندرہ بیس میل سمندر کا علاقہ ہے مگر ایک قوم کے لئے جو اتنی بڑی قربانیاں کر چکی ہے پندرہ بیس میل کے علاقہ کو عبور کرنا کونسا مشکل کام ہے۔جب اس علاقہ کو جرمنوں نے طے کر لیا تو آگے کوہ قاف آئے گا اور پھر چند سو میل کے فاصلہ پر ایران اور ایران کے بعد افغانستان اور بلوچستان آ جاتے ہیں۔پس وہ جرمن جو لوگوں کو ہزاروں میل پر دکھائی دیتے تھے اب وہ اپنا آدھا سفر طے کر چکے ہیں بلکہ بعض لحاظ سے وہ آدھے سے بھی زیادہ سفر طے کر چکے ہیں۔ اور وہ لحاظ یہ ہے کہ اب ان کے رستہ میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو ان کا مقابلہ کر سکے۔روس والوں نے جو مقابلہ کیا ہے۔بے شک وہ حیرت انگیز ہے۔ مگر ایران اور افغانستان کی بھلا کیا طاقت ہے کہ وہ جرمن والوں کا مقابلہ کر سکیں۔ وہ تو ان ہتھیاروں کے ساتھ جو آجکل یوروپین طاقتوں کے پاس ہیں۔دو چار ہزار سپاہی بھجوا کر ہی ان ملکوں پر اپنا تسلّط قائم کر سکتے ہیں۔انگریزوں کی طاقت بے شک بڑی ہے مگر ہندوستان میں ان کی طاقت نہیں۔ہندوستان سے متعلق اس وقت انگریزوں کی دس لاکھ فوج ہے۔جن میں سے باقاعدہ سیکھے ہوئے اور مسلح سپاہی صرف تین چار لاکھ ہیں لیکن جرمنی اور اس کے ساتھی ممالک کی فوج ایک کروڑ ہے۔اس ایک کروڑ میں سے دس پندرہ بیس لاکھ سپاہی بھجوا دینا ان کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کی آبادی تینتیس کروڑ ہے اور اگر یوروپین ممالک کے طریق پر بھرتی کی جائے تو تین کروڑ سپاہی تیار ہو سکتے ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ ہندوستان صنعتی ملک نہیں اور آجکل لڑائی آدمیوں سے نہیں ہوتی بلکہ آجکل بارود کی لڑائی ہوتی ہے، توپوں کی لڑائی ہوتی ہے، ٹینکوں کی لڑائی ہوتی ہے، ہوائی جہازوں کی لڑائی ہوتی ہے اور ہندوستان میں نہ اتنے ٹینک ہیں، نہ اتنے ہوائی جہاز ہیں جو ان سپاہیوں کے کام

آ سکیں بلکہ ہندوستان ضرورت کے مقابلہ میں ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کا سواں حصہ بھی تیار نہیں کر سکتا۔ باہر سے جو سامان آتا ہے وہ بھی اتنا محدود ہے کہ اس سے کوئی بڑی فوج تیار نہیں کی جا سکتی۔ ایسے خطرناک حالات میں ہندوستان کو بہت زیادہ خطرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واقف لوگ ہندوستانیوں کو بار بار جگا رہے ہیں کہ اٹھ کر اپنی حفاظت کا سامان کر لو ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زیادہ تر یہ تحریک حکومت کے نمائندگان کی طرف سے ہوتی ہے اور قدرتی طور پر ان کی تحریک سن کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ اپنے فائدہ کے لئے کہہ رہے ہیں مثلاً جب کوئی ڈپٹی کمشنر یا وزیر، جنگ کے لئے تقریر کرتا ہے تو بے شک لوگ اس وقت دس دس بیس بیس ہزار روپیہ چندہ دے دیتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ وہ سمجھتے ہیں خطرہ قریب آ رہا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں یہ دس بیس ہزار روپیہ ایسا ہی ہے جیسے بیج ڈالا جاتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں یا تو انہیں کوئی خطاب مل جائے گا یا انہیں آنریری مجسٹریٹ بنا دیا جائے یا ان کے بیٹے کو ہی کہیں ملازم کرادیا جائے گا۔

پس وہ خطرہ کی اہمیت کو سمجھ کر قربانی نہیں کرتے بلکہ گورنمنٹ میں عزت اور رسوخ حاصل کرنے کے لئے اپنا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جو پبلک کے نمائندے ہیں ان میں سے بہت کم ہیں جو سچے طور پر خطرہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوں اور جو لوگ سمجھتے ہیں وہ بھی بعض مصالح کی وجہ سے خاموش ہیں۔ مثلاً گاندھی جی نے کچھ عرصہ ہوُا جنگ کی تائید میں اعلان کیا تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں وہ ڈر گئے اور کسی نے ان سے کہہ دیا کہ گاندھی جی آپ نے یہ کیا مصیبت سہیڑ لی ہے؟ اگر انگریز جیتے تب تو کوئی بات ہی نہیں لیکن اگر جرمنی جیت گیا تو وہ کھال ادھیڑ کر رکھ دے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس موقع پر چپ رہیں۔ چنانچہ اب ان کی پالیسی یہی ہے کہ وہ نہ انگریزوں کی تائید کرتے ہیں، نہ جرمنوں کی اور سمجھتے ہیں کہ اگر انگریز جیت گئے تو ہم ان سے کہہ دیں گے کہ ہم

آپ کے دشمن نہیں تھے اور اگر جرمن جیت گئے تو ان سے کہہ دیں گے کہ ہم آپ کے دشمن نہیں تھے۔ بہرحال ان کا پہلا اعلان صاف بتاتا تھا کہ وہ خطرہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں مگر اب اُن کے دل میں شبہ ڈال دیا گیا ہے کہ انگریزوں کی کامیابی یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جرمن ہی جیت جائیں۔ اس لئے آپ اپنی جان بچانے کی کوشش کریں اور کسی ایک طرف نہ جھکیں۔ اَور لوگ بھی ہیں جو خطرہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں مگر ان کی آواز کا اثر بہت کم ہے۔ حالانکہ حالات نہایت نازک ہیں اور خطرہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے مگر افسوس کہ وہ لوگ جو ملک کو بیدار کر سکتے ہیں انہیں اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ صرف ہماری جماعت کے لوگ ہی ہیں جنہیں اس خطرہ کی طرف توجہ ہے اور یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہمارے لئے کونسی بات زیادہ مفید ہے مگر جہاں تک ہمارے علم کا تعلق ہے ہمیں انگریزوں کی نسبت زیادہ حسن ظنی ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جرمنوں سے زیادہ بہتر ہیں۔ پس ہمارا اپنے علم کی بنیاد پر یہی فرض ہے کہ ہم انگریزوں کی مدد کریں گو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس قدر جنگ اور خون ریزی کے بعد بھی انگریزوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا نہیں ہوا اب بھی حکومت کی طرف سے ہم پر ظلم کئے جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ گورنمنٹ ان ظلموں کا ازالہ کرے وہ اپنی جھوٹی عزت کو بچانے کے لئے بہانے بناتی رہتی ہے۔ اور غرض یہ ہوتی ہے کہ ہم اس وقت جواب دیں گے جب کوئی بہانہ مکمل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری جماعت کے بعض نوجوان گو میرے کہنے پر فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں مگر جب وہ مجھ سے ملنے کے لئے آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے کہنے پر فوج میں جا رہے ہیں ورنہ سچی بات یہی ہے کہ ہمارے دل انگریزوں کے ساتھ نہیں ہمارا تجربہ بھی یہی ہے کہ ابھی تک ان میں خدا کا خوف پیدا نہیں ہوا۔ وہ یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگ ان کی اطاعت کرتے جائیں اور انہی جی حضور کہتے رہیں۔ ورنہ اگر کوئی سچائی لے کر کھڑا ہو جائے اور ان کی غلطی پکڑ لے تو وہ اپنی غلطی ماننے کے لئے

تیار نہیں ہوتے۔ انگریزی حکومت کے ماتحت کم سے کم پنجاب میں ہم سے یہی سلوک ہو رہا ہے۔ اورجب اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں تو دلوں میں سے دعائیں نکلنی مشکل ہو جاتی ہیں۔ لیکن بہرحال عقلمند وہی ہوتا ہے جو دوسرے کے فعل کو دیکھنے کی بجائے اصل واقعات کو دیکھے اور وہ راہ اختیار کرے جو صحیح اور درست ہو۔ ہم اگر صرف حکومت کے بعض افسروں کے رویّہ کو دیکھیں تو بے شک کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں ہم حکومت کی کیوں مدد کریں لیکن اگر ہم حالات کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھیں کہ اس وقت دنیا پر جو مصیبت چھائی ہوئی ہے اس کا اثر صرف انگریزوں پر ہی نہیں بلکہ ہم پر بھی پڑنے والا ہے تو ہماری عقل یہی فیصلہ کرے گی کہ ہمیں انگریزوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کرنی چاہئے اور دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ اس فتنہ کو جلد دور کرے۔

اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ بیسیوں مواقع اس جنگ میں ایسے پیدا ہوئے جب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اب انگریز جرمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے بلکہ ایک وقت تو ایسا آیا کہ خود انگریز یہ سمجھتے تھے کہ اب ہمارے لئے جرمنی کا مقابلہ کرنا مشکل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے یہ خبر دے دی تھی کہ انگریزی حکومت ختم نہیں ہو گی بلکہ اس کے بعد پہلے سے زیادہ مضبوط ہو جائے گی۔ انگریز اگر سوچتے تو ان کے لئے یہی نشان کافی تھا۔ چنانچہ کتنی دردناک تقریر تھی مسٹر چرچل وزیر اعظم کی، جب انہوں نے کہا کہ اب وہ دن آ گیا ہے کہ ہماری قوم پر جرمن حملہ آور ہوں۔ ہم سمندر کے کناروں پر جرمنوں کا مقابلہ کریں گے اور اگر سمندر کے کناروں پر مقابلہ نہ ہو سکا اور وہ اندر داخل ہو گئے تو ہم اپنے شہروں میں ان کا مقابلہ کریں گے، پھر لنڈن کی گلیوں میں ان کا مقابلہ کریں گے، اور اگر پھر بھی ہم دشمن کا مقابلہ نہ کر سکے اور وہ ہمارے ملک پر قابض ہو گیا تو ہم کینیڈا چلے جائیں گے اور وہاں سے اس کا مقابلہ کریں گے۔ گویا وزیر اعظم بھی اس بات کا امکان سمجھتے تھے کہ جرمنی ساحل انگلستان پر حملہ کرے گا اور پھر اس میں

وہ کامیاب ہو کر آگے بڑھے گا۔ اور لنڈن میں اس کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور پھر وہ اس بات کا بھی امکان سمجھتے تھے کہ حکومت لنڈن سے بھاگ جائے اور کینیڈا میں جا کر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑے۔4 اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ یہ چھ مہینے پہلے کی بات ہے۔ یعنی چھ مہینے کے بعد انگریزوں کی حالت بدل جائے گی اور پھر وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں گے۔ چنانچہ ٹھیک چھ ماہ کے بعد ان کی حالت تبدیل ہوئی اور وزیر جنگ نے ایک تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج سے چھ ماہ پہلے سوائے بیوقوف کے اَور کوئی شخص یہ خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ہم اس جنگ میں فتح حاصل کر لیں گے اب کُجا تو انگریزوں کی یہ حالت تھی کہ وزیر اعظم تک کہہ رہا تھا کہ اگر حالات بگڑے تو ہم لنڈن چھوڑ کر کینیڈا چلے جائیں گے اور کُجا یہ حالت ہوئی کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے بتایا تھا۔ چھ ماہ کے بعد ان کی حالت پہلے سے بہت مضبوط ہو گئی۔

غرض انگریز اگر سوچتے تو ان کے لئے یہی نشان کافی تھا۔ مگر افسوس ہے کہ ان کی سمجھ میں اب تک یہ بات نہیں آئی کہ ہمارے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا خدا سے مقابلہ کرنا ہے۔ اور وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ اگر انہوں نے اپنے رویّہ کو نہ بدلا تو وہ خدا تعالیٰ کے غضب کے مورد ہو جائیں گے۔ بہرحال وہ جو کچھ چاہتے ہیں کریں۔ ہم نے ان کا معاملہ خدا پر چھوڑا ہوا ہے۔ انہوں نے سلسلہ کی جو تازہ ہتک کی ہے۔ اس کے متعلق ہم اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ حکومت کی طرف سے جواب آجائے۔ ان کی کارروائیوں کا ہمیں درمیان میں علم بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر بہرحال جو ہمارا فرض ہے وہ ہمیں ادا کرنا چاہئے اور اس جنگ میں انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتے رہنا چاہئے۔ اگر کوئی دن ایسا آیا جب خدا نے یہ فیصلہ کر دیا کہ انگریز بھی ویسے ہی بُرے ہو گئے ہیں جیسے جرمنی والے بُرے ہیں تو خدا خود ہمیں کہے گا کہ اب انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعائیں کرنا چھوڑ دو اور غیر جانبدار ہو کر بیٹھ جاؤ اور جب اس نے فیصلہ کیا کہ انگریز، جرمن سے بھی بدتر ہو گئے ہیں

تو خدا ہمیں خود حکم دے گا کہ اب جرمنوں کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگنا شروع کر دو مگر جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کوئی ایسا حکم نہیں ملتا اس وقت تک ہمارا یہی فرض ہے کہ انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انگریزوں کے لئے دعا کی ہے۔ پس جب تک وہ دعا قائم ہے اور جب تک خدا تعالیٰ ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور اس دعا کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اُس وقت تک ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی دعاؤں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کے ساتھ ملائیں۔ ہمیشہ کے لئے تو کوئی چیز قائم نہیں رہتی۔ وہی مدینہ کی گلیاں جن کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ امن کی جگہ ہیں ایک وقت ایسا آیا کہ ان میں فساد ہوا۔ پس پیشگوئیاں وقتی ہوتی ہیں اور ایک وقت ایسا آ سکتا ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا زمانہ ختم ہو جائے مگر یہ خداتعالیٰ ہی بتا سکتا ہے کہ وہ وقت آیا ہے یا نہیں۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم آپ ہی آپ یہ فرض کر لیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ یہ انتہا درجہ کی گستاخی اور بے ادبی ہو گی کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات پر حکومت کریں۔ جو چیز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو الہام سے معلوم ہوئی ہے۔ یا تو اسی الہام میں کوئی ایسی مخفی بات ہو سکتی ہے جو اپنے وقت پر ظاہر ہو کر بتا دے کہ اب اس دعا کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور یا پھر تازہ الہام ہی کسی پہلے الہام کو بدل سکتا ہے۔ بہرحال جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی ایسی بات نہیں بتاتا ہماری جماعت کا فرض ہے کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں سے اپنی دعاؤں کو ملائے تا کہ اللہ تعالیٰ اس فتنہ سے ہمارے ملک کو بھی بچائے اور انگریزوں کو بھی محفوظ رکھے اِس وقت بعض اس قسم کے خطرناک حالات پیدا ہو چکے ہیں کہ اند رہی اندر سخت تشویش پیدا ہو رہی ہے اور ایسے نازک حالات سمجھے جاتے ہیں کہ ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ جس طرح یکدم بند ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح اچانک کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جائے جس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اندرونی طور پر کوئی امن نہیں۔ اگر حکومت کمزور ہو گئی تو قومیں ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوں گی۔ سچا تقویٰ لوگوں کے قلوب میں نہیں پایا جاتا۔ ہندو مسلمان کے خون کا پیاسا ہے اور مسلمان ہندو کے خون کا پیاسا۔ سکھ عیسائیوں کے دشمن ہیں۔ اور عیسائی سکھوں کے دشمن ہیں یہی حال دوسری قوموں کا ہے۔ ایک دوسرے کی ہمدردی اور محبت کے جذبات مٹ چکے ہیں اور دشمنی اور عناد دلوں میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں اگر حکومت کمزور ہو جائے تو باہمی عناد بہت بڑھ جائے گا اور ہماری جماعت کے لئے تو غیر معمولی خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ ہمارے اردگرد مختلف قومیں چوری چوری ہتھیار جمع کر رہی ہیں۔ چوری چوری گولہ بارود جمع کر رہی ہیں۔ اور ان کی دلیری یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ بعض لوگ احمدیوں کے پاس بھی پہنچے اور ان سے کہنے لگے کہ اپنی بندوقیں زیادہ قیمت پر ہمارے پاس بیچ ڈالو۔ ایسے خطرہ کے موقع پر بِالخصوص چھوٹی جماعتوں کے لئے خدا کے سوا اور کوئی سہارا نہیں ہوتا۔ مگر افسوس ہے ابھی تک ہماری جماعت کے دوستوں کو بھی اس فتنہ کی اہمیت کا پوری طرح احساس نہیں ہوا۔ بیسیوں لوگ ہیں جو باوجود میرے خطبات سننے کے آنے والے خطرہ سے بالکل غافل ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ انگریزوں سے ہمارا کیا تعلق ہے۔ انگریز بھی ہمارے دشمن ہیں اور جرمن بھی ہمارے دشمن ہیں اوروہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ انگریزوں سے ہماری کوئی قومی دشمنی نہیں بلکہ اِس وقت تک پنجاب کی حکومت کے صرف چند افراد ہیں جن سے ہمیں شکایت ہے اور ان چند افراد کی دشمنی کو تمام قوم کی دشمنی قرار دینا بہت بڑی حماقت ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ وہی ہجوم والی روح ہو گی جو شہروں میں بالعموم نظر آتی ہے۔ کوئی مسلمان کسی ہندو سے لڑ پڑتا ہے اور اس لڑائی میں مثلاً مسلمان مارا جاتا ہے۔ اب مسلمان نہ یہ دیکھتے ہیں کہ جو مسلمان مارا گیا ہے وہ کیسے اخلاق رکھتا تھا، نہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کس جگہ کا رہنے والا تھا، نہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ ظالم تھا یا مظلوم تھا،

نہ یہ دیکھتے ہیں کہ لڑائی کس بات پر ہوئی۔ بس یہ دیکھ کر کہ ایک ہندو کے ہاتھ سے مسلمان مارا گیا ہے جوش میں کھڑے ہو جائیں گے اور ہندوؤں کو مارنے لگ جائیں گے۔ فرض کرو راستہ میں کوئی ہندو چلا آ رہا ہے۔ اس کی بیوی سخت بیمار ہے اور وہ اس کے علاج کے لئے کسی ڈاکٹر کی طرف جا رہا ہے اسے دیکھ کر مسلمان جھٹ کھڑا ہو جائے گا اور بغیر اس کے کہ یہ جانتا ہو وہ ہندو کون ہے، کہاں کا رہنے والا ہے اور اس کی مسلمانوں سے کوئی دشمنی بھی ہے یا نہیں۔ جھٹ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر خنجر اس کے پیٹ میں اتار دے گا۔ حالانکہ اس فعل سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہاں ہوا۔ اس سے تو اَلشَّیْطَانُ اَکْبَرُ ہوا۔ خدا کی بڑائی تو تب تھی کہ کسی مظلوم اور بے گناہ پر ہاتھ نہ اٹھایا جاتا بلکہ اس کی مدد کی جاتی۔ مگر جب ایک بے گناہ اور مظلوم کو قتل کر دیا جاتا ہے تو یہ خدا کی بڑائی کہاں ہوئی۔ یہ تو شیطان کی بڑائی ہوئی۔ یہی حال ہندوؤں کا ہے اس قسم کے فسادات کے موقع پر ہندوؤں کو اگر کوئی مسلمان نظر آتا ہے تو خواہ وہ بے چارہ امرتسر سے اپنا کوئی سودا لینے کے لئے ہی لاہور گیا ہو۔ اسے ہرے رام کہہ کر موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ یہ ہجوم کی سپرٹ کہلاتی ہے۔ اور اس میں بغیر یہ جاننے کے کہ مقابل میں کون ہے انسان دوسرے پر حملہ کر دیتا ہے۔ جب ایک آدمی دوسرے آدمی کے سامنے آتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ میرے مقابلہ میں کون ہے۔ مگر جب ہجوم ہجوم کے مقابلہ میں ہو تو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کون کس پر حملہ کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے اس قسم کے اندھا دھند حملوں کو ہجومی روح کے ماتحت قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی گو ایک آدمی دوسرے آدمی کو مارتا ہے مگر چونکہ بلا وجہ اور بلا سبب کے مارتا ہے اس لئے اس کی سپرٹ ہجوم والی سپرٹ کہلاتی ہے۔ پس اگر ہم بھی بعض افسروں کی وجہ سے تمام انگریز قوم کو دشمن سمجھنے لگیں تو ہجومی روح کا ہی مظاہرہ کریں گے۔ جو کوئی پسندیدہ بات نہیں ہو سکتی۔

ہمارا طریق یہی ہے کہ جب تک ساری قوم پر اتمامِ حجت نہ کر لیں اُس وقت تک تمام قوم کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ جو فرد ہماری دشمنی کرے گا ہم صرف

اس کا مقابلہ کریں گے یا اگر مناسب سمجھیں گے تو اسے معاف کر دیں گے۔ اگر سلسلہ کا مفاد یہ چاہتا ہو کہ اسے معاف کر دیا جائے تو ہم معاف کر دیں گے اور اگر سلسلہ کا مفاد یہ چاہتا ہو کہ اسے معاف نہ کیا جائے تو ہم اسے معاف نہیں کریں گے۔ بہرحال ہم فرد کو ہی اپنے سامنے رکھیں گے۔ قوم کو نہیں۔ اور اگر ان افراد کے معاملہ میں ہماری بات نہ سنی جائے تو ہم بالا حُکام کے سامنے اپنا معاملہ رکھیں گے اور اگر انہوں نے بھی نظر انداز کر دیا تو ہم ساری قوم کے سامنے اسے رکھیں گے اور اگر قوم نے بھی اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی تو پھر ہم کہہ سکیں گے کہ وہ قوم کی قوم ہمارے ساتھ انصاف کرنے کے لئے تیار نہیں اور اس وقت ہمارا حق ہو گا کہ ہم ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیں لیکن اس سے پہلے ہمارے لئے مدد سے انکار کرنا جائز نہیں۔ اور گزشتہ واقعات میں ہمارا تجربہ یہی ہے کہ جب ہم نے بالا حُکام کے پاس اپیل کی تو وہ رائیگاں نہیں گئی البتہ کچھ عرصہ سے انہوں نے الزام سے بچنے کا ایک نیا طریق نکالا ہے کہ انگریز وزراء پر ذمہ داری ڈال دیتے ہیں اور وزراء انگریزوں پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ شتر مرغ والا ایک نیا ڈھنگ انہوں نے نکالا ہے اور ہر شخص اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر حالات یہی رہے تو کم سے کم ہمیں سمجھنا پڑے گا کہ کانگرس اپنے اس مطالبہ میں بالکل حق بجانب ہے کہ ہندوستان کی حکومت کلیۃً ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ یہ دوغلی حکومت اچھی نہیں کہ انگریز حکام سے کوئی بات پوچھی جائے تو وہ اس کی ذمہ داری وزراء پر ڈال دیں اور وزراء سے دریافت کیا جائے تو وہ انگریز حکام پر اس کی ذمہ داری ڈال دیں۔ یہ شتر مرغ والی چال ملک کے لئے سخت نقصان رساں ہے اور اگر واقعات اسی طرح ہوتے رہے تو کم سے کم ہم اس نتیجہ پر ضرور پہنچ جائیں گے کہ دوغلی حکومت نہیں ہونی چاہئے اور انگریزوں کا حکومت میں بالکل کوئی دخل نہیں ہونا چاہئے۔ گورنر صرف "صاحب سلامت" کہنے کے لئے ہو جیسے کینیڈا یا آسٹریلیا میں اس کی مثال ملتی ہے۔

بہر حال جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے جب تک قومی طور پر انگریزوں پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو۔اس وقت تک اس واقعہ کو انگریز قوم کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔اِس وقت ہمارے اور ان کے فوائد مشترکہ ہیں۔اگر خدانخواستہ ہندوستان پر حملہ ہو جائے تو جرمن فوجیں صرف انگریزوں کو ہی نہیں ماریں گی بلکہ وہ ہر غریب سے غریب اور امیر سے امیر شخص کو لوٹیں گی۔اگر کسی غریب کے گھر صرف دس سیر دانے پڑے ہوں گے تو وہ ان دس سیر دانوں کو بھی اٹھا کر لے جائیں گی کیونکہ انہیں کھانے کے لئے چیزوں کی ضرورت ہو گی۔یہ تو نہیں کہ وہ اپنے کھانے کے لئے جرمنی سے چیزیں منگوائیں گی۔لازماً فوجیں اپنے کھانے کے لئے ہندوستان کے لوگوں کو ہی لوٹیں گی۔پھر جس طرح بھیڑیں اور بکریاں دوڑتی پھرتی ہیں اسی طرح وہ آگے آگے ہوں گے اور پیچھے پیچھے جرمن فوجیں ہوں گی۔نہ کسی کو یہ پتہ ہو گا کہ اس کی بیوی کہاں ہے، نہ کسی کو یہ پتہ ہو گا کہ اس کے بچے کہاں ہیں، نہ کسی کو یہ پتہ ہو گا کہ اس کے دوست کہاں ہیں۔پس ان خطرات کو محسوس کرو اور ان کی اہمیت کے مطابق ان کے لئے دعائیں کرو۔اور یاد رکھو کہ خالی دعا قبول نہیں ہوتی بلکہ وہ دعا قبول ہوا کرتی ہے جو حالات کے مطابق ہو اس وقت ہمارے پاس دنیوی لحاظ سے کوئی ایسے سامان نہیں جن سے ہم انگریزوں کی مدد کر سکتے ہوں۔ہم زیادہ سے زیادہ یا تو چندہ دے سکتے ہیں یا اپنے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کرا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ دنیوی سامانوں میں سے ہمارے پاس کوئی سامان نہیں۔لیکن ہمارا بھروسہ ان سامانوں پر نہیں بلکہ دعا پر ہے اور وہ ایک بہت بڑا ہتھیار ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمیں عطا کیا ہوا ہے۔اگر ہم سچے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے لئے جو بات بہتر ہے وہ ہو کر رہے گی۔اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک بہتر بات یہ ہوئی کہ دونوں قومیں تباہ ہو جائیں تو وہ دونوں قوموں کو تباہ کر دے گا اور اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہتر ہوئی کہ کسی ایک کو فتح دے تو جس کی فتح اس کے نزدیک زیادہ بہتر ہو گی اس کو فتح حاصل ہو گی

مگر تم کو صرف وہی دعا کرنی چاہئے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے مانگی ہے۔ آگے خدا اِسے جس خانہ میں چاہے گا ڈال دے گا کیونکہ خدا دعا کے الفاظ کو نہیں دیکھتا بلکہ مومن کی نیت کو دیکھتا ہے۔ جب تم خدا تعالیٰ سے یہ دعا مانگو گے کہ وہ انگریزوں کو فتح دے اور جب تمہاری یہ دعا محض اس لئے ہو گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بھی یہ دعا مانگی ہے لیکن خدا کے نزدیک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کا زمانہ ختم ہو چکا ہو گا تو وہ دعا کے الفاظ کے مطابق نہیں بلکہ اس کی روح کے مطابق تم سے سلوک کرے گا اور اس بات کو دیکھ کرکہ تمہارا اصل منشاء اس دعا سے یہ ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو وہ دنیا میں امن قائم کر دے گا۔ چاہے وہ کسی صورت میں ہو۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مثنوی میں مولانا روم نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ جنگل میں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے دیکھا ایک گڈریا بیٹھا ہے وہ اپنی گُدڑی میں سے جوئیں نکالتا جاتاتھا اور کہتا جاتا تھا کہ یا اللہ اگر تُو مجھے مل جائے تو مَیں اپنی بکریوں کا تازہ تازہ دودھ تجھے پلاؤں۔ اے اللہ اگر تو مجھے مل جائے تو مَیں تیرے پیر دباؤں تجھے کانٹے چبھ جائیں تو تیرے پاؤں میں سے کانٹے نکالوں۔ تجھے جوئیں پڑ جائیں تو تیرے کپڑوں میں سے جوئیں نکالوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو اسے سونٹا مارا اور کہا احمق خدا کی ہتک کرتا ہے۔ کیا اللہ بھی بھوکا اور پیاسا ہو سکتا ہے۔ وہ تو رازق ہے سارے جہان کو روزی دیتا ہے لیکن اگر اسے بھوک بھی لگے تو کیا وہ تیری بکریوں کا دودھ ہی پیئے گا اور وہ تو طاقتور خدا ہے مگر تیرے نزدیک وہ ننگے پاؤں پھر رہا ہے اور اسے جوتی تک نصیب نہیں اور کانٹے اس کے پاؤں میں چُبھ چُبھ جاتے ہیں۔ پھر تُو یہ سمجھتا ہے کہ تیری طرح اس نے سڑی ہوئی گُدڑی پہنی ہوئی ہے اور اس میں جوئیں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ بے چارہ تو جوش محبت میں خدا تعالیٰ سے اس طرح پیار کی باتیں کر رہا تھا کہ گویا خدا ایک معصوم بچہ ہے جو اس نے اپنی گود میں اٹھایا ہوا ہے مگر جب اسے سونٹا پڑا تو دل پکڑ کر اورمایوس ہو کر بیٹھ رہا۔ اُسی وقت

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الہام نازل کیا کہ اے موسیٰؑ ! تُو نے آج ہمارے بندے کا دل بہت دُکھایا۔ اے موسیٰ! تُو اپنے علم کے مطابق ہم سے محبت کرتا ہے اور وہ اپنے علم کے مطابق ہم سے محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ تیرا کیا حق تھا کہ تو اس کی باتوں میں دخل دیتا ہمیں تو اس کی یہی باتیں پیاری لگ رہی تھیں۔5

اسی طرح حدیثوں میں آتا ہے۔ ایک بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا کہ تو میرا اللہ ہے اور مَیں تیرا بندہ ہوں مگر اسے دعا کرتے کرتے کچھ ایسا جوش آیا کہ وہ حالت بے اختیاری میں کہنے لگا اے اللہ مَیں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ ہے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ کہا کہ تو اللہ تعالیٰ کو اس کی یہ بات بڑی ہی پیاری معلوم ہوئی کیونکہ جوشِ محبت میں اسے یہ ہوش ہی نہ رہا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے6 تو اللہ تعالیٰ مومن کی نیت اور اس کے ارادہ کو دیکھتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے مُنہ سے الفاظ کیا نکل رہے ہیں۔ مثلاً وہی الفاظ جن کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے اگر کوئی دانستہ کہے گا تو وہ گنہگار ہو گا لیکن اگر کسی کی زبان سے جوشِ محبت میں مدہوشی کی حالت میں نکل جائیں تو وہ گنہگار نہیں ہو سکتا۔ تو اللہ تعالیٰ صرف لفظوں کو نہیں دیکھتا بلکہ اُس روح کو دیکھتا ہے جو الفاظ کے پسِ پردہ کام کر رہی ہوتی ہے۔ جب ایک شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرنے کے لئے جاتا ہے اور وہ پوری طرح اپنے نفع اور نقصان کو سمجھ کر جاتا ہے تو ایسی حالت میں اگر وہ کوئی غلطی بھی کر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس طرح قبول نہیں کرتا جس طرح وہ دعا مانگ رہا ہوتا ہے بلکہ اس رنگ میں قبول کرتا ہے جس رنگ میں اس دعا کا قبول ہونا اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اس طرح گو بعض دفعہ اسے یہ خیال گزرتا ہے کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہوتی ہے کیونکہ اِس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ اُس کے لئے وہ امر ظاہر کرتا ہے جو اس کے لئے مفید ہوتا ہے۔ گو بظاہر وہ اس کی مراد کے خلاف ہی کیوں نہ نظر آئے مثلاً ایک شخص کا بیٹا سخت بیمار ہے اور وہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ میرے بیٹے کو صحت دے دے۔

اب بظاہر دعا اسی رنگ میں پوری ہونی چاہئے کہ اس کا بیٹا تندرست ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ہوتی ہے کہ اگر اس کا بیٹا زندہ رہا تو وہ بڑا ہو کر چور یا ڈاکو یا فسادی بنے گا اور اس طرح اپنے باپ اور خاندان کی بدنامی کا موجب ہو گا۔ اُس وقت جب وہ یہ دعا کر رہا ہو گا کہ یا اللہ میرے بیٹے کو صحت دے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کو حکم دے گا کہ یہ میرا بندہ مجھے بڑا پیارا ہے ہم نے اس کی دعا قبول کر لی ہے۔ جلدی جاؤ اور اس کے بیٹے کی روح قبض کر لو۔ تا ایسا نہ ہو کہ بڑا ہو کر وہ خود بھی گنہگار بنے اور اپنے خاندان کی بدنامی کا بھی موجب بنے۔ پس وہ دعا تو یہ کر رہا ہوتا ہے کہ میرا بیٹا بچ جائے مگر چونکہ خدا یہ جانتا ہے کہ اگر یہ زندہ رہا تو بدنامی کا موجب ہو گا اس لئے وہ دعا کو اس رنگ میں قبول کر لیتا ہے کہ اسے وفات دے دیتا ہے اور اس طرح اسے بدنامی سے بچا لیتا ہے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی مگر واقعہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی دعا قبول ہو چکی ہوتی ہے پس تم اس بات سے مت ڈرو کہ تمہارا مستقبل کیا ہے۔ مستقبل کا کام خدا سے تعلق رکھتا ہے تمہارا کام ظاہر پر فیصلہ کرنا ہے اور ظاہر میں ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے انگریزوں کی کامیابی کے لئے دعا کی ہوئی ہے۔ پس تم یہی دعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ انگریزوں کو فتح دے۔ اگر انگریزوں کی فتح میں تمہارے لئے بہتری ہے تو اللہ تعالیٰ انگریزوں کی فتح کے سامان پیدا کر دے گا اور اگر ان کی فتح میں بہتری نہیں تو پھر جس بات میں بھی تمہارے لئے بہتری ہے اللہ تعالیٰ اسے پیدا کر دے گا۔ مگر تم بہرحال اُسی صف میں کھڑے ہو جاؤ گے جس صف میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کھڑے ہیں۔

پس دعائیں کرو اور اس شان سے کرو جس شان کا یہ فتنہ ہے۔ یہ نہیں کہ کسی وقت خیال آیا تو دعا کر لی بلکہ اتنی توجہ اور اتنے درد سے دعائیں کرو کہ تمہاری نیندیں تم پر حرام ہو جائیں۔ تم بیٹھو تو اس وقت بھی، لیٹو تو اس وقت بھی، اٹھو تو اس وقت بھی۔ غرض ہر حرکت اور ہر سکون کے وقت یہ دعائیں تمہاری زبان پر

جاری رہیں۔ میرا تجربہ ہے کہ جب کسی دعا کی طرف میری اتنی توجہ ہو کہ جب مَیں سو کر اٹھوں تو اس وقت بھی وہ دعا میری زبان پر جاری ہو تو مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ اب وہ دعا قبول ہو کر رہے گی۔ کیونکہ خدائی تصرف کے ماتحت وہ میری زبان پر جاری ہوتی ہے۔ جب میں سو جاتا ہوں تو وہ دعا برابر میرے قلب میں سے نکلتی رہتی ہے اور جب مَیں اٹھتا ہوں تو وہ میری زبان پر جاری ہوتی ہے۔ اس وقت میں سمجھ لیتا ہوں کہ یہ خدا تعالیٰ کی اٹل تقدیر ہے۔ پس ایسی ہی دعائیں کرو سوتے جاگتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے غرض ہر حالت میں گڑ گڑا گڑ گڑا کر دعائیں کرو تا اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان فتنوں کو جلد سے جلد دور کر دے۔" (الفضل 15 نومبر 1941ء)

1: الفضل 17 جون 1938ء

2: ترمذی ابواب الفتن باب ما جاء ستکون فتنة کقطع اللیل المظلم

3: کریمیا: سوویت یونین کے جنوب میں ایک جزیرہ۔ 1475ء سے 1783ء تک ترکی کے زیر نگیں رہا۔ 1918ء میں آزاد ہو کر کریمیا کا قیام عمل میں آیا۔ 1921ء میں آزاد جمہوریہ کریمیا کی حیثیت سے سوویٹ یونین میں شامل ہو گیا۔ اردو انسائیکلو پیڈیا

4: Into the Battle مرتبہ Rahdolfh S.Churchill M.P صفحہ 223

5: مثنوی رومی دفتر دوم بحوالہ الہام منظوم دفتر دوم صفحہ 188

6: مسلم کتاب التَّوْبَةِ باب فِی الْحَضِّ عَلَی التَّوْبَةِ